عالمگیریت: اسلام کی نگاہ میں

محمد عمر چھاپرا

ہم ایک ایسے ماحول میں رہ بس رہے ہیں جہاں فاصلے گھٹ رہے ہیں، رابطے کے ذرائع تیز تر اور، بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار زیادہ سے زیادہ طاقتور اور ہلاکت خیز ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں بہتر باہمی مفاہمت، عظیم تر امن، ہم آہنگی اور تعاون کے ساتھ ایک واحد گلوبل ولیج کی فضا کو پروان چڑھانا انتہائی ضروری ہے۔

تمام قوموں کی خوش حالی کا انحصار ایسے ہی تعاون پر ہے۔ یہ عالمگیریت کا پہلا مقصد ہے۔ باہمی تعاون پر مبنی ایسی فضا کی عدم موجودگی تہذیبوں کے تصادم کا سبب بن سکتی ہے جو ہر ایک کے لیے برا ہوگا، خصوصاً ترقی پذیر ملکوں کے واسطے، جو اپنے خلاف جارحانہ عزائم کو روکنے کے لیے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار نہیں رکھتے۔ مزید یہ کہ ان کے پاس جو وسائل ہیں، وہ بہت محدود ہیں، اور وہ انہیں لڑائی جھگڑوں میں جھونکنے کے بجائے ان کا بہتر استعمال کرتے ہوئے اپنی ترقی پر صرف کرنا چاہیں گے۔

آج کی دنیا میں، یہ پوچھا جانا بالکل برمحل ہے کہ ایسی عالمگیریت کے حوالے سے اسلام کا موقف کیا ہے۔

انسانیت کا اتحاد اور عالمگیریت

قرآن کا پیغام: آیئے دیکھیں اس بارے میں قرآن کا حکم کیا ہے۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے۔ یہ وحی پر مبنی تمام مذاہب کے عقائد اور اقدار کی عکاسی کرتا ہے۔ اللہ نے پوری دنیا کے اندر مختلف اوقات میں اپنے رسول بھیجے۔ ان سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمتیں ہوں۔ یہ سارے رسول

ایک ہی پیغام لے کر آئے جس کی نشان دہی قرآن میں واضح طور پر یوں کی گئی ہے کہ: ''اے نبی، تم کو جو کچھ بتایا جارہا ہے، اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو نہ بتائی جا چکی ہو'' (سورۂ فصلت: ۴۳)

کوئی نیا نبی اسی وقت آیا کرتا تھا جب پچھلے نبی کی تعلیمات بھلا دی جاتیں یا ان میں تحریف ہو جاتی۔ یہ سارے نبی لوگوں کو متحد کرنے کے لیے آئے، تقسیم کرنے کے لیے نہیں، بالخصوص اسلام کے معاملے میں۔ کیوں؟ وجہ بہت سادہ ہے۔ تمام انسان اللہ کے خلیفہ یا نائب ہیں، اس لیے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس بنا پر اس دنیا میں انہیں سب کی فلاح یعنی بھلائی کے لیے بھائیوں کی طرح امن و سلامتی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اسلام میں ایک خدا اور انسانیت کے اتحاد کے تصورات کو قرآن میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

o انسانوں کو ایک قوم کی حیثیت سے پیدا کیا گیا تھا مگر بعد میں اپنے اختلافات کی وجہ سے وہ الگ الگ ہو گئے۔ (سورۂ یونس: ۱۹)

سوال یہ ہے کہ اگر انہیں ایک قوم کی حیثیت سے پیدا کیا گیا تھا تو وہ الگ الگ کیوں ہو گئے؟ قرآن اس سوال کا جواب بھی دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

o لوگوں میں جو تفریق ہوئی وہ اس کے بعد ہوئی کہ علم ان کے پاس آ چکا تھا، اور اس بنا پر ہوئی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ (سورۂ شوریٰ: ۱۴)

یہ علم جو ان کے پاس آیا، وہ جہاں بینی پر مبنی ہے، اور دینی معیارات کے مطابق عقائد، اخلاقی اقدار، اداروں اور اداراتی معیشت کی تشکیل کرتا ہے۔

اللہ کی طرف سے اس دنیا میں بھیجے گئے تمام رسولوں کا ایک بڑا مقصد انسانیت کو باہمی برتاؤ کی ضروری اقدار اور اصول فراہم کرنا تھا۔ یہ اصول بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اس دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح معاملات کرنے چاہئیں کہ یہاں مختلف قوموں، مختلف انسانی گروہوں اور خاندان کے تمام ارکان کے درمیان عدل، انصاف، تعاون اور یک جہتی پروان چڑھے۔ تاہم عدل، تعاون اور

یکجہتی کے اصول لازماً غالب نہیں رہتے۔اس کی وجہ، جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور باہم ظلم اور زیادتی کرنے کا داعیہ (بغیاً بینھم) ہے۔اور اس جذبے کی وجہ مخصوص مفادات، بے انصافی، حسد، استحصال، معاہدوں اور ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا، اور اختیارات کا ناجائز استعمال ہے۔ان عوامل کی بنا پر پرامن باہمی روابط اور تعلقات استوار نہیں ہو پاتے۔اس کیفیت کے علاج کے لیے اللہ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت، اس دنیا میں رسول بھیجے گئے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ہم نے تمھیں پوری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۂ الانبیاء:۱۰۷)

رحمت، بے انصافی، استحصال اور تفریق کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔یہ سب کی ضروریات کی تکمیل، خاندانی اتحاد، سماجی یکجہتی، امن اور ہم آہنگی کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے۔یہ ہے وہ چیز جو رحمت سے مراد ہے۔اسلام لوگوں کو جوڑنے کے لیے آیا ہے توڑنے کے لیے نہیں۔قرآن انسانیت کے اتحاد کا علم بردار ہے۔یہ خود انسان ہیں جو اس مقصد کے لیے درست ماحول پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

سنت نبوی کا پیغام: قرآن اسلامی تعلیمات کا صرف ایک حصہ ہے، دوسرا حصہ سنت نبویؐ ہے۔ اور سنت نبوی کا حکم بھی بہت واضح ہے: ”انسانیت اللہ کا کنبہ ہے، اور ان میں اللہ کا سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔“[1]

یہ کنبہ صرف مسلمانوں پر مشتمل نہیں ہے۔اس میں دنیا کے تمام لوگ شامل ہیں بلالحاظ اس کے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، گورے ہیں یا کالے، امیر ہیں یا غریب، اور مرد ہیں یا عورت۔ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا کہ:

”اے لوگو، سنو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے۔کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فوقیت ہے نہ کسی غیر عرب کو کسی عرب پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری ہے نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، فضیلت کا معیار صرف کردار ہے۔“[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے، جو جہاں بینی کا علم اور برتاؤ کے اصول فراہم کرتا ہے۔ ''میزان'' کا مطلب صحیح اور غلط میں امتیاز کے لیے قرآن اور سنت میں دیے گئے معیارات ہیں۔ اس سے زندگی کے تمام شعبوں میں ایسے درست توازن کا قیام بھی مراد ہے جو نظام فطرت میں پایا جاتا ہے۔ اگر انسان ان اصولوں کے مطابق عمل کریں تو ان کے درمیان اتحاد اور عالمگیریت فروغ پائے گا۔ برتاؤ کے ان اصولوں کے نفاذ کے بغیر، دنیا میں عدل وانصاف نہیں ہوگا، چنانچہ امن اور ہم آہنگی بھی نہیں ہوگی۔ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ:

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم اور بے انصافی سے آلودہ نہیں کیا، امن ان ہی کے لیے ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں (سورۃ الانعام: ۸۲)۔

یہ ہے قرآن کا فیصلہ۔ اگر آپ اس دنیا میں امن اور ہم آہنگی چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ لوگوں کو انصاف فراہم کیا جائے۔ حتیٰ کہ بجائے خود عقیدہ بھی کافی نہیں۔ عقیدہ کا نفاذ بے انصافی اور ظلم کے خاتمے کے ذریعے کیا جانا ہے۔ لہٰذا عدل اسلام کا ایک بنیادی مطالبہ ہے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مزید زور یہ وضاحت کر کے دیا ہے کہ بے انصافی یوم حساب کی تاریکی کی جانب لے جاتی ہے۔[۴] رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ''ظلمات'' کی جو اصطلاح استعمال کی وہ ''ظلمہ'' کی جمع ہے جس کا مطلب تاریکی یعنی اندھیرا ہے۔ جب اس کی جمع استعمال کی جائے تو اس کا مطلب گہرا اندھیرا ہے جس میں کوئی شخص کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ آخرت میں ان لوگوں کے لیے صرف اندھیرا ہوگا جو ظالم اور بے انصاف ہیں۔ بے انصافی جتنی بڑی ہوگی، اندھیرا بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔

اتحاد انسانیت اور عالمگیریت کا دوسرا تقاضا، زندگی کے تمام گوشوں میں سماجی یگانگت کے فروغ کے لیے باہمی امداد اور تعاون ہے۔ یہ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ صرف یہی ضروری نہیں کہ غربت اور مصائب کا ازالہ کیا جائے اور باہمی مفاہمت کو فروغ دیا جائے بلکہ ایسی ہر چیز سے اجتناب بھی کیا جائے جو یکجہتی کو نقصان پہنچانے والی

ہو۔ایسی ایک چیز ''تحمل و برداشت'' کا فقدان ہے۔ثقافتوں اور مذاہب میں اختلافات کو برداشت کرنا، انتہائی اہم ہے۔ یہ توقع رکھنا فضول اور غیر حقیقت پسندانہ ہے کہ تمام ممالک بالا دست مغربی ثقافت وتہذیب کی اقدار اور طرز زندگی کو اپنالیں گے۔ دوسری تہذیبوں اور مذاہب کی تحقیر کی کوئی کوشش لازماً منفی ردعمل پیدا کرے گی اور عالمگیریت کے مقصد کو نقصان پہنچائے گی۔

جہاں تک باہمی امداد اور تعاون کا تعلق ہے تو اسلام کی ہدایات اس حوالے سے بھی بہت واضح ہیں۔قرآن کہتا ہے:

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو مگر گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو (سورۃ المائدہ:۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کسی شخص کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ دوسرے انسانوں کی مدد کرتا رہے۔[۵]

جہاں تک تحمل و برداشت کی بات ہے تو مسلمانوں نے اس معاملے میں قابل قدر مثال قائم کی ہے۔ اسلام کے دور عروج میں مسلم دنیا تحمل و برداشت کا بہترین نمونہ تھی۔ سانڈرس (Saunders) کے بقول، اس زمانے میں مسلم دنیا میں ایسی برداشت پائی جاتی تھی، ''جس سے باقی پورا یورپ قطعی ناواقف تھا''[۶]

اس تحمل و برداشت کے نتیجے میں مسلم دنیا مختلف علوم اور ان کے اطلاق کے ہر شعبے کے علماء و فضلاء کے لیے باہمی رابطے کی جگہ بن گئی تھی۔ اس دور میں مسلم دنیا میں مسلمان، عیسائی، یہودی، زرتشتی، اور صابی سب مل کر کام کرتے تھے۔[۷] تمام علمی موضوعات پر پوری آزادی کے ساتھ اور کسی روک ٹوک کے بغیر مباحثہ ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے ہمہ گیر علمی پیش رفت کی راہیں کھلتی تھیں۔اس دور میں اسلام کی تیز رفتار ترقی کا یہ بھی ایک سبب تھا۔تحمل و برداشت کی یہ صلاحیت، اسلام کی تعلیمات کا نتیجہ تھی۔ بقول جارج سارٹن ''دینی عقیدہ مسلمانوں کی زندگی پر ناقابل تصور حد تک غالب تھا۔''[۸]

چند مسلمان علماء کے افکار: یہ دیکھنے کے بعد کہ قرآن اور سنت، عدل وانصاف کے بارے میں

کیا کہتے ہیں، آیئے چند بڑے مسلمان مفکرین کے نظریات پر ایک نگاہ ڈالیں۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ:

''عدل ہر ایک کے لیے، ہر ایک اور ہر چیز کے حوالے سے ناگزیر ہے۔ بے انصافی کسی صورت جائز نہیں چاہے معاملہ کسی مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا، حتیٰ کہ کسی ظالم کے ساتھ بھی عدل کے خلاف معاملہ کرنے کی گنجائش نہیں۔''[9]

ہمیں اپنے ذہن میں یہ بات رکھنی چاہیے کہ جب ابن تیمیہ ''ہر چیز کے لیے انصاف'' کو ضروری قرار دیتے ہیں تو اس سے محض انسان نہیں بلکہ جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے، اور ماحول سب مراد ہوتے ہیں۔ ''ہر چیز'' میں یہ سب شامل ہیں۔ لہٰذا انصاف کو ہر چیز کے لیے اور ہر ایک کے لیے یقینی بنایا جانا چاہیے، حتیٰ کہ اس کے لیے بھی جو خود انصاف کی راہ پر نہ ہو یعنی ظالم ہو۔

ابن خلدون بھی، جو ایک عظیم مورخ اور سماجی سائنسداں تھے، یہ بات بڑے پرزور انداز میں یوں کہتے ہیں کہ ''ظلم و بے انصافی تہذیب کے لیے تباہ کن ہے۔''[10] یہ بات انہوں نے چھ سو سال پہلے کہی تھی۔ جبکہ ترقیاتی معاشیات، ابھی چند دہائی پہلے تک، ترقی میں عدل و انصاف کے کردار پر متفق نہیں تھی۔ بعض ماہرین معاشیات کا اصرار تھا کہ انصاف تعیش ہے اور انصاف کے ساتھ ترقی ممکن نہیں۔ تاہم تجربے نے ترقیاتی معاشیات کو اب یہ سکھا دیا ہے کہ ترقی، انصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے پچھلی صدی کی آٹھویں اور نویں دہائی میں سوچ تبدیل ہوئی اور اب ماہرین معاشیات عام طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ ترقی کے لیے انصاف ناگزیر ہے۔ ابن خلدون اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چھ سو سال پہلے اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا، اور اس نے کہہ دیا تھا کہ: ترقی انصاف کے بغیر نہیں ہوسکتی۔[11]

ان حقائق کی بناء پر ہم پورے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا یہ عمومی تقاضا ہے کہ انصاف کو ہر صورت میں یقینی بنایا جانا چاہیے، اور ترقی کے فوائد میں سب کی یکساں شرکت ہونی چاہیے۔ انصاف کے بغیر نہ صرف ترقی کے عمل کو نقصان پہنچے گا بلکہ باہمی تنازعات سر اٹھائیں گے اور تعاون کی فضا متاثر ہوگی۔ اس صورت میں باہمی قربت و یگانگت اور عالمگیریت کو حقیقت بنانا بھی مشکل ہوجائے گا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ایک جیسوں کے ساتھ ایک جیسا رویہ رکھا جائے اور جو باہم برابر نہیں ہیں

ان کے ساتھ الگ الگ برتاؤ کیا جائے۔اس نکتے کو معاشی، سماجی اور سیاسی یکجہتی و یگانگت کے موضوع پر ذیل میں کی گئی بحث میں مزید واضح کیا گیا ہے۔

معاشی یگانگت و یکجہتی

معاشی قربت و یگانگت نہایت اہم ہے کیونکہ یہ باہمی انحصار کو بڑھاتی ہے، اور باہمی انحصار جتنا زیادہ ہو، تنازع اور جنگ کا امکان اتنا ہی کم ہو جاتا ہے۔معاشی انحصار تجارت کو بڑھاتا، ترقیاتی عمل کو نشو و نما دیتا اور نتیجتاً باہمی انحصار کے دائرے کو مزید وسیع کرتا ہے۔ابن خلدون استدلال کرتے ہیں کہ ترقی کا دارومدار ستاروں (قسمت) یا سونے اور چاندی کی کانوں پر نہیں بلکہ معاشی سرگرمی، تقسیم کار اور تخصص پر ہے اور جواباً یہ چیزیں منڈی کی وسعت پر منحصر ہیں۔[۱۲]

عالمگیریت منڈی کی توسیع میں مدد دیتی ہے۔اس طرح یہ اشیاء و خدمات کی طلب کے اضافے میں مددگار بنتی ہے، روزگار کے مواقع کو بڑھاتی ہے، شرح نمو کو بلند کرتی ہے، اور تمام لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بناتی ہے۔اس سے تجارت میں توسیع کی اہمیت واضح ہے۔لوگ اس معیار زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں، اور تنازعات سمیت ہر اس چیز کی مزاحمت کرتے ہیں جو اس معیار کو نقصان پہنچاتی ہو۔

یورپی ملکوں میں شرح ترقی فی الوقت کم ہے۔شرح ترقی کو بڑھانے کے متعدد طریقے ہیں۔ان میں سے ایک عالمگیریت کے ذریعے منڈی کی توسیع ہے۔اگر غریب ملک امیر ہو جائیں تو یورپی اور امریکی اشیاء اور خدمات کے لیے ان کی طلب بڑھ جائے گی۔منڈی کے حجم میں یہ اضافہ ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے میں مدد دے گا، آمدنیوں میں اضافے اور سائنس اور تعلیم کے فروغ کا باعث بنے گا۔لہٰذا منڈی میں توسیع، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک، سب کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

موجودہ عالمگیریت کی نوعیت اور مسائل: اسلامی معاشیات میں معاشی یگانگت کو فروغ دینے کے لیے مضبوط منطقی بنیاد موجود ہے۔یہ اس لیے کہ معاشی یگانگت جتنی زیادہ ہوگی، جیسا کہ پہلے حوالہ دیا گیا، تنازع کے امکانات اتنے ہی کم اور، انسانی اتحاد اور عالمگیریت کے اسلامی ہدف کے حصول

کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ تاہم جس قسم کی معاشی عالمگیریت کا تجربہ دنیا میں آج ہو رہا ہے، اس کے ذریعے یہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جاری موجودہ عالمگیریت، منڈی کی توسیع عدل وانصاف کے بجائے لبرلائزیشن کے ذریعے کرنے پر زور دیتی ہے اور فی الحقیقت انصاف کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ جب صنعتی ملکوں کی برآمدات بڑھتی ہیں تو ترقی پذیر ملکوں کی برآمدات میں بھی ترجیحاً بلند نرخوں پر اضافہ ہونا چاہیے، اگر ان ملکوں میں غربت اور بے روزگاری کو کم کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا عالمگیریت کو محض صنعتی ملکوں کی تجارت میں توسیع کا علم بردار نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ترقی پذیر ملکوں کی تجارت کو بڑھانے کے لیے بھی کارگر ثابت ہونا چاہیے۔ ترقی پذیر ملکوں کی برآمدات میں اس وقت تک اضافہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان کی برآمدات کی راہ میں حائل تمام پابندیاں دور نہ کر دی جائیں، اور ان کی پیداواری صلاحیت میں بھی بہتری رونما نہ ہو۔

اس لیے ان پابندیوں کا خاتمہ لازمی ہے جو ان کی برآمدات کے فروغ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہ تجارت کی لبرلائزیشن کا ایک جزو ہے۔ تاہم اس سے اس وقت تک پورا فائدہ نہیں ہوسکتا جب تک ترقی پذیر ملکوں کی پیداواری صلاحیت میں بھی توسیع نہ ہوتا کہ وہ مزید برآمدات کے قابل ہوسکیں۔ اور پیداواری صلاحیت انسانی وسائل اور فزیکل انفرااسٹرکچر کی ترقی کے بغیر نہیں بڑھ سکتی۔ یہ انتہائی اہم امور ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کو اپنے سماجی اور فزیکل انفرااسٹرکچر اور پیداواری سرگرمیوں کو بہتر بنانے کے قابل بنائے بغیر، ان سے اپنے تمام محصولات کے خاتمے کا مطالبہ، ان ملکوں میں درآمدی ساز وسامان کے سیلاب اور ان کی اپنی صنعت اور زراعت کی تقریباً مکمل تباہی کی راہ ہموار کرے گا۔ لہٰذا ترقی پذیر ملکوں میں عالمگیریت صرف بتدریج ہی واقع ہوسکتی ہے۔ اگر اسے طاقت کے بل پر مسلط کیا گیا تو اس کے نتیجے میں کئی مسائل جنم لیں گے۔ ان میں سے ایک ان کی متعدد صنعتوں کا بند ہو جانا ہے۔ یہ چیز ان کی زراعت کو بھی نقصان پہنچائے گی، بے روزگاری میں اضافہ کرے گی، سماجی اور سیاسی عدم استحکام پیدا کرے گی، اور ایسے نتائج کا سبب بنے گی جو ان اہداف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

صدیوں میں جو عالمگیریت واقع ہوئی، وہ زراعت ہی میں توسیع کے ذریعے ہوئی تھی۔ جاپان کو دیکھیں یا امریکا کو، یہ زراعت ہی ہے جس میں پہلے توسیع ہوئی۔ اسی نے صنعتی ترقی کے لیے وسائل فراہم کیے۔ اگر ترقی پذیر ملکوں میں زراعت کا دائرہ نہ پھیلتا تو ان کی ترقی کا عمل متاثر ہوتا اور آخری نتیجے کے طور پر پوری دنیا میں صنعتی ملکوں کو بھی نقصان پہنچتا۔ لہٰذا زراعت کی توسیع ان ملکوں کے لیے انتہائی اہم ہے اور اس کے لیے ترقی یافتہ دنیا میں زراعت پر دی جانے والی مالی اعانتوں کا خاتمہ ناگزیر ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ صنعتی ملکوں کو ایک ہی ہلے میں تمام مالی اعانتوں کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ یہ اقدام حکمراں سیاسی جماعتوں کے لیے خودکشی کا عمل ثابت ہوسکتا ہے۔ تاہم وہ اسے تدریج کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں، اس واضح شعور کے ساتھ کہ یہ وہ عمل ہے جو ترقی پذیر ملکوں کو اپنی زراعت کو وسعت دینے اور اپنے وسائل میں اضافہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے درکار ہے اور یہ ان کی صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ معاشی قربت و یگانگت ایک دھیما عمل ہے چنانچہ صنعتی ملکوں سے مالی اعانتوں کے فوری خاتمے کی توقع نہیں رکھی جاسکتی تاہم اسے بتدریج روبعمل لایا جانا چاہیے۔ مگر ایسا ہو نہیں رہا ہے۔ صنعتی دنیا میں اس بات کی مستقل جدوجہد جاری ہے کہ زرعی اشیاء پر دی جانے والی مالی اعانتیں برقرار رہیں اور ان کے خاتمے کے مطالبے کو ٹالا جاتا رہے۔ اس رویے کے ساتھ کوئی گلوبلائزیشن نہیں ہوسکتی۔

دوسری چیز جسے ذہن میں رکھا جانا چاہیے، ترقی کے مختلف مراحل ہیں جن سے ترقی پذیر ممالک فی الوقت گزر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ دوسروں سے بہت آگے ہیں۔ اس لیے ان سب کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں کیا جاسکتا۔ مقابلتاً غریب ترقی پذیر ملک اداروں کی تعمیر، صحت منداور مستحکم مالیاتی نظام کی تشکیل، بنیادی ڈھانچے میں اصلاحات اور قابلِ اعتماد قانونی اور عدالتی نظام کے قیام کے حاجت مند ہیں۔ اچھی حکمرانی کے بغیر ان مقاصد کا حصول مشکل ہے۔ تاہم ترقی پذیر ملکوں کی ترقی کے لیے یہ تمام چیزیں ناگزیر ہیں۔ ان اہداف کے حصول میں وقت لگے گا۔ اس لیے یہ توقع رکھنا انتہائی غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ ترقی پذیر ممالک اپنے تمام محصولات فی الفور ختم کر دیں گے۔ ایسا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترقی پذیر ملک اس کا نصف بھی مہیا کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ نہ ان کے ماہرین ویسے اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں جیسے صنعتی ملکوں کی طرف سے آتے ہیں۔[۱۳] اس لیے یہ توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے کہ مذاکرات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انداز میں منعقد ہوں گے؟ اس طرح، یہ پورا عمل ابتداء ہی سے غیر منصفانہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک کے صدر ڈاکٹر احمد علی نے بجا طور پر نشان دہی کی ہے کہ ''ڈبلیو ٹی او میں ترقی پذیر ملکوں کا پہنچنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص گھنے جنگل سے گزر رہا ہو، جو جھاڑ جھنکاڑ، پر پیچ راستوں اور سدھائے ہوئے دیو ہیکل درندوں سے بھرا پڑا ہو۔''[۱۴] عالمگیریت، عدل وانصاف کے بغیر نہیں آسکتی، اور اگر انصاف کو ملحوظ رکھا جائے تو ترقی پذیر ملکوں کو متعدد مراعات دی جانی چاہئیں۔ تمام ترقی پذیر ملکوں کو یکساں مراعات کے بجائے ان کی ترقی کے مرحلے کے مطابق مراعات ملنی چاہئیں۔

سماجی یگانگت ثقافتی تنوع کے ساتھ

عالمگیریت کے لیے درکار ایک اور چیز سماجی قربت و یگانگت ہے۔ مختلف ملکوں میں بہتر باہمی مفاہمت کے لیے یہ ضروری ہے۔ یہ چیز ایک آفاقی گاؤں کی تعمیر کے لیے راستہ ہموار کرے گی۔ تاہم آفاقی گاؤں کا یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ اس میں ایک یکساں اور سب کے لیے قابل قبول تہذیب وثقافت رائج ہوگی۔ اس کے بجائے اسے ایک ایسا گاؤں بنانا ہوگا جس میں ثقافتی تنوع اور رنگا رنگی ہو۔ ایسا اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہم دوسری ثقافتوں کو محض برداشت نہ کریں بلکہ ان کا احترام کرنا اور ان کی تحقیر سے گریز کرنا بھی سیکھیں۔ یہ توقع رکھنا کہ دنیا کے تمام ملک ایک ہی مغربی تہذیب وثقافت کو اپنا لیں گے، غیر صحت مند اور غیر حقیقت پسندانہ ہی نہیں بلکہ ایسا ہدف ہے جس کا حصول ناممکن ہے۔ کسی بالادست قوم کی جانب سے باقی دنیا پر اپنا کلچر مسلط کرنے کی کوشش پر دوسرے ملک ناخوش ہوں گے۔ دنیا میں کلچر کے نام سے کوئی ایسی اعلیٰ وارفع اور یک رنگ چیز نہیں ہے جس میں صرف خوبیاں ہی ہوں اور جو کمزوریوں سے یکسر پاک ہو۔ جبکہ تنوع اور رنگا رنگی سے دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ ہوگا۔

[illegible]

([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

برداشت اور مفاہمت کا مظاہرہ نہیں۔ امریکا (گوانتانا موبے) میں قرآن کے بیت الخلاء میں پھینکے جانے کے واقعے کو مسلم دنیا کی جانب سے ایک دوستانہ کارروائی کے طور پر کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ اور اس ماحول میں عالمگیریت کیسے وقوع پذیر ہوسکتی ہے؟[۱۵]

سماجی اور معاشی عالمگیریت ایک دوسرے سے گہرے طور پر مربوط ہیں۔ سماجی یگانگت کے بغیر معاشی یگانگت مشکل ہے۔ اور لوگوں کے درمیان مزید اعتماد اور ہم آہنگی کو فروغ دیے بغیر سماجی یگانگت پیدا کرنا ممکن نہیں۔ توہین آمیز واقعات جو امریکا اور اسی طرح خاصی تعداد میں یورپ میں پیش آئے، کوئی تازہ معاملہ نہیں ہیں جو نائن الیون کا نتیجہ ہو، یہ واقعات ایک ایسے ذہنی رویے کی عکاسی کرتے ہیں جو صدیوں پر محیط ہے۔ اس کا مظاہرہ صلیبی جنگوں میں ہوا تھا اور اس کے بعد قرآن، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر مسلسل حملوں کی شکل میں برابر ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ رویہ بین الاقوامی ہم آہنگی اور عالمگیریت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

سیاسی یگانگت

سیاسی قربت و یگانگت کا یہ مطلب نہیں کہ ایک سپر پاور کی چھتری تلے دنیا کی تمام قوموں کو ایک قوم بنادیا جائے۔ سیاسی یگانگت ایک ایسی مقتدرہ ہی کے تحت حقیقت بن سکتی ہے جو انصاف کی ضامن ہو، تنازعات کو کم کرے اور تمام ملکوں میں امن اور خوش حالی کو فروغ دے۔ اقوام متحدہ سے اس کام کی انجام دہی کی امید لگائی گئی تھی، لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہی۔ اقوام متحدہ کی قراردادیں اسرائیل کی سنگ دلی اور امریکا کی مدد اور چشم پوشی کی بناء پر مسلسل پامال ہوتی چلی آرہی ہیں۔ ایک منصفانہ عالمی نظام کو حقیقت بنانے کا خواب بھی، جھوٹے الزامات کی بنیاد پر عراق پر امریکا کے حملے کی وجہ سے بکھر چکا ہے۔ اس حملے کے پیچھے دو مقاصد کارفرما تھے۔ ایک تو مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی ہٹ دھرمی کے تسلسل کو یقینی بنائے رکھنا، اور دوسرے اس علاقے کے تیل پر تسلط حاصل کرنا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ خود یورپی ملکوں کے مفاد کے بھی خلاف تھا۔ کوئی اکیلا ملک جو اس علاقے کے تیل پر کنٹرول رکھتا ہو، پوری دنیا پر تسلط قائم کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔ وہ چین،

جاپان، حتیٰ کہ بعض یورپی ملکوں کو ایسی پالیسیوں کو ماننے پر مجبور کرنے کے لیے جنہیں وہ پسند نہیں کرتے تیل کے لیے راستہ دینے سے انکار کرسکتا ہے۔ اس صورت حال سے بے پناہ مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ یوں مشرق وسطیٰ کے تیل کا ایک سپر پاور کے کنٹرول میں لے آیا جانا، ایک انتہائی ناخوشگوار معاملہ ہے۔ امریکا کویت کو عراق سے بچانے کے لیے کویت گیا تھا، لیکن پھر وہ خود نوآبادیاتی طاقت بن گیا۔ کویت اب عملاً امریکی کالونی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد امریکا نے عراق پر حملہ کیا تاکہ دونوں ملکوں کے تیل پر اپنا کنٹرول قائم کرلے اور پورے علاقے کے ملکوں کے تیل کو اپنے دائرہ اثر میں لے آئے۔ ایران نے مزاحمت کا اعلان کیا اور شاید اسی بناء پر اسے ''برائی کے محور'' کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

عراق پر تسلط قائم کرنے کے لیے امریکا کی کوششوں نے اس ملک کو بری طرح تباہ کردیا ہے۔ دس لاکھ سے زیادہ مرد، عورتیں اور بچے قتل کردیے گئے، ملک کے بنیادی ڈھانچے، صنعت اور زراعت کو برباد کردیا گیا، اور بحیثیت مجموعی ایک خوش حال ملک کو انتہائی غریب بنادیا گیا۔ عراق کو اس حالت میں آنے کے لیے جس میں یہ 1970ء میں تھا، کم از کم دو عشروں تک جدوجہد کرنا پڑے گی۔ کئی یورپی ملک اس بات پر قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے عراق کی اس غیر ضروری اور سنگ دلانہ بربادی میں امریکا کی طرف داری نہیں کی۔

ایک مسلم ملک پر اس دلیل کی بنیاد پر حملہ کرنا کہ اس کا مقصد اس ملک میں جمہوریت کا قیام ہے، قطعی احمقانہ ہے۔ جمہویت طاقت کے بل پر نہیں لائی جاتی۔ اس مقصد کے لیے متعدد اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان اقدامات پر گفتگو یہاں ممکن نہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم ملکوں میں سماجی معاشی اور سیاسی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اسے ہر ایک مانتا ہے۔ لیکن اس اصلاح کو عمل میں لانا آسان نہیں۔ یہ کام بتدریج ہی ہوسکتا ہے۔ مغربی دنیا تعلیم اور سماجی معاشی بہتری میں تعاون کرکے اصلاحات کی رفتار کو تیز کرسکتی ہے۔

سیاسی یگانگت بلاشبہ دنیا کی ضرورت ہے۔ تاہم اسے طاقت کے استعمال کے ذریعے قائم نہیں

کیا جاسکتا۔ یہ کام صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھیں، ایک دوسرے کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کا احترام کریں، ایک دوسرے سے تعاون کریں، اوران سماجی تنازعات سے گریز کریں جو دوسروں کے مذہب، ثقافت اور عقائد کی توہین وتحقیر کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اس طور پر آگے بڑھیں تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

آخری بات

ہم بات اس پر ختم کر سکتے ہیں کہ عالمگیریت پوری دنیا کی عظیم تر خوش حالی کے لیے ضروری ہے۔ تاہم معاشی عالمگیریت، سماجی اور سیاسی عالمگیریت سے الگ نہیں۔ یہ عالمگیریت کے پورے عمل کا ایک حصہ ہے۔ یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ہم عدل وانصاف، باہمی مفاہمت اور تعاون کو کھیل کے اصولوں یعنی ان قوانین کی پابندی کرتے ہوئے یقینی نہ بنائیں جو انبیائے کرام علیہم السلام ہم تک اخلاقی اقدار کے ذریعے لائے۔

حواشی

۱ : تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، نمبر ۴۹۹۸، جلد دوم، صفحہ ۶۱۳، بہ سند شُعب الایمان از بیہقی۔

۲ : بحوالہ القرطبی تفسیر قرآن، آیت ۴۹:۱۳، جلد ۱۶، صفحہ ۳۴۲۔

۳ : تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، نمبر ۴۹۶۹ (جلد ۲، صفحہ ۶۰۸)، بہ سند ابوداؤد اور ترمذی۔

۴ : مسلم، صحیح مسلم، نمبر ۶، کتاب البر والصلہ والادب، باب تحریم الظلم، از جابر ابن عبداللہ (جلد ۴، صفحہ ۱۹۹۶)

۵ : المنذری، الترغیب والترہیب، نمبر ۲ (جلد ۳، صفحہ ۳۹۰) بہ سند مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم)

۶ : Saunders, "*The Muslim World on the Eve of Euorope's Expansion*", 24.

۷ : ایضاً

۸ : Sarton, "*Introduction to the History of Science*", *vol,1,503*

۹ : ابن تیمیہ، مجمع الفتاویٰ، جلد ۱۸، صفحہ ۱۶۶۔

۱۰ : ابن خلدون، مقدمہ، ۲۸۸۔ مزید دیکھیے روز نتھال کا ترجمہ ''ابن خلدون'' اور عیساوی کی "Arab Philosophy of History"۔ تالیف

۱۱ : ابن خلدون، مقدمہ، ۲۸۷۔

۱۲ : ایضاً ۳۶۰، ۳۶۶، اور ۴۰۳۔

۱۳ : ورلڈ بینک، ''ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ''، ۵۵۔

۱۴ : اسلامک ڈیولپمنٹ بینک، "Proceedings of Seminar on Accession to WTO" 1.

۱۵ : اس لیکچر کے کچھ ہی دن بعد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نفرت انگیز خاکے ڈنمارک کے ایک اخبار میں شائع ہوئے، اور پھر کئی مغربی اخبارات و جرائد میں انہیں نقل کیا گیا۔ ڈنمارک کی حکومت کی جانب سے

پریس کی آزادی کے نام پر اس دلخراش اقدام کا دفاع انتہائی افسوس ناک تھا۔تمام مظاہر اسی بات کے ہیں کہ مغربی حکومتیں اپنے ذرائع ابلاغ کی جانب سے دوسرے مذاہب اور مذہبی رہنماؤں کی تحقیر و توہین برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ یہ غرور وتکبر، سماجی عالمگیریت کی راہ میں حائل، رویوں پر مبنی ان رکاوٹوں میں سے ہے جن کی نشان دہی ڈاکٹر عمر چھاپرا نے کی ہے، یہی رویہ رہا تو کیا پرامن گلوبل ولیج کے خواب کی جانب پیش رفت ممکن ہوگی یا تہذیبوں کے غیر ضروری تصادم کی راہ ہموار ہوگی۔(مدیران)